فصل اوّل

علم اصولِ فقہ: ابتدائی تعارف

اصولِ فقہ کیا ہے؟

اصولِ فقہ سے مراد اسلامی شریعت کے وہ بنیادی اصول اور فقہ اسلامی کے وہ قانونی قواعد وضوابط ہیں جن سے کام لے کر ایک ماہر فقیہ اور قانون دان شریعت کے مصادر مآخذ سے تفصیلی احکام کا استنباط کرتا ہے۔ جیسا کہ ہر مسلمان جانتا ہے، شریعت کے مصادر و مآخذ میں اصل اور بنیادی مآخذ دو ہی ہیں، یعنی قرآن مجید اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ پھر ان دونوں کی سند (Authority) کی بنیاد پر بقیہ مآخذ (جن میں اجماع اور اجتہاد و قیاس کو بہت اہمیت حاصل ہے) اپنے اپنے درجہ پر آتے ہیں۔ ان سب مصادر و مآخذ سے تفصیلی احکام کو اخذ کرنا اور ان کو مرتب و منضبط کرنا نہ صرف گہری قانونی بصیرت اور عمیق فقہی نظر کا متقاضی ہے بلکہ اس عمل کو انجام دینے کے لیے کچھ طے شدہ امور، مرتب اصول اور منضبط قواعد و احکام بھی ہیں جن کو اس پورے عمل میں سامنے رکھنا پڑتا ہے۔ انہی قواعد و احکام کے مجموعہ کا نام اصولِ فقہ ہے۔

اس مختصر وضاحت سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اسلامی علوم میں اصولِ فقہ کی کیا اہمیت ہے۔ اصولِ فقہ کی اسی اہمیت کے پیش نظر علامہ ابن خلدونؒ (م ۸۰۸ھ) نے اس کو علوم شرعیہ میں سب سے اعلیٰ، سب سے برتر اور سب سے زیادہ مفید قرار دیا ہے۔ دیگر مورخین و مفکرین اسلام نے بھی علم اصولِ فقہ کو علوم اسلامیہ کا گل سرسبد، اسلامی علوم کی ملکہ، فکر اسلامی میں جدت اور طباعی کا سب سے بڑا مظہر اور مسلمانوں میں فکری منہاج کا سب سے نمایاں نمونہ قرار دیا ہے۔ بعض جدید مصنفین نے اس کو فلسفہ قانون اسلامی، منہاجیاتِ قانون (Juridical Methodology) اور علمِ تقنین

Marfat.com

(Legislation Science) کی وضاحتی اصطلاحات سے بھی تعبیر کیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ علم اصولِ فقہ نہ صرف اسلامی علوم کی تاریخ میں بلکہ دنیائے قانون کی عالمی تاریخ میں اپنی نوعیت کی سب سے پہلی کاوش ہے۔ اسلام سے قبل کی تہذیبوں (مثلاً یونانی، ہندوستانی، رومی، عراقی، مصری اور چینی وغیرہ) میں قانون کے جزوی احکام کے مجموعوں اور فروعی تفصیلات کے نمونے تو بہت ملتے ہیں لیکن اصولِ قانون یا فلسفہ قانون کا ایک الگ فن کے طور پر کوئی تصور نہیں ملتا۔ بلاشبہ افلاطون کے مکالمات بالخصوص ''جمہوریہ'' میں اور ارسطو کی تصانیف بالخصوص ''سیاسیات'' اور ''قوانین'' میں قانون کی سند اور اتھارٹی کے بارے میں بعض وقیع خیالات ملتے ہیں لیکن وہ ایسے مباحث کے ضمن میں ملتے ہیں جہاں فلسفہ، سیاسیات اور اخلاقیات کی حدود میں امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ افلاطون اور ارسطو کی متعلقہ تحریروں میں فلسفہ، سیاسیات اور اخلاقیات کے مباحث اس طرح ملے جلے اور مخلوط ہیں کہ ان کو الگ الگ منقح کر کے بیان کرنا بڑا دشوار ہے۔ پھر ان مباحث میں اگر کوئی بات اصولِ قانون کے طلبہ کی دلچسپی کی ملتی بھی ہے تو یا تو وہ محض کہیں ضمناً آ گئی ہے یا دوسرے علوم کے حوالہ سے آئی ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ان مباحث کی موجودگی کے باوجود آج تک کسی نے افلاطون کی ''جمہوریہ'' یا ارسطو کی ''سیاسیات'' کو اصولِ قانون کی کتاب قرار نہیں دیا۔ رہی دوسری اقوام اور تہذیبیں (مثلاً یہودی، ہندو، بابلی، رومی) جن کے ہاں قوانین کے تحریری اور غیر تحریری مجموعے قدیم سے چلے آتے ہیں تو ان کے ہاں تو اصولِ قانون سے متعلق وہ ابتدائی تصورات بھی بہت کمیاب ہیں جو یونانیوں کے ہاں پائے جاتے ہیں۔

اس کے برعکس اسلامی تاریخ میں تقریباً آغاز ہی سے اصولِ قانون کے نام سے ایک الگ اور منفرد شعبہ علم کا تصور موجود ہے۔ مسلمانوں نے پہلی بار دنیا کو اصولِ قانون کا علم عطا کیا اور دنیائے قانون کی ایک ایسی کمی کو پورا کیا جس کا شاید احساس تو عرصہ سے موجود تھا لیکن کسی قوم نے اس احساس کو عملی جامہ نہ پہنایا تھا۔ مسلمان قانون دانوں نے دوسری صدی ہجری کے اوائل ہی سے اس ضرورت کا احساس کیا اور قانون کی بنیاد، اس کی اساس، اس کی سند اور اتھارٹی اور ایسے ہی دوسرے

Marfat.com

موضوعات پر غور فکر کا آغاز کر دیا۔ عصر حاضر کے نامور محقق اور قانون دان ڈاکٹر محمد حمید اللہ (م۲۰۰۲ء) کا خیال ہے کہ اصولِ فقہ اور فروع فقہ کی اصطلاحات قرآن پاک کی اس آیت سے ماخوذ ہیں:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ [ابراھیم ۱۴:۲۴]

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی (اچھی) تمثیل کلمہ طیبہ کی بیان فرمائی کہ وہ ایک پاکیزہ درخت کے مشابہ ہے جس کی جڑ خوب مضبوط ہے اور اس کی شاخیں بہت اونچائی میں جا رہی ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں کلمہ طیبہ کی جڑوں کو اصول اور شاخوں کو فروع کہا گیا ہے جس سے اس بات کا صاف اشارہ ملتا ہے کہ کلمہ طیبہ (شریعت الٰہی) کے کلیات کو اصول اور جزئیات کو فروع کے نام سے یاد کیا جاسکتا ہے۔

اصولِ فقہ، دین اور شریعت کے ایک ابتدائی تعارف کے لیے ضروری ہے کہ پہلے دین و شریعت کی اس عمومی تنظیم کو سامنے رکھا جائے جس کا ایک اہم حصہ اصولِ فقہ ہے اور پھر فقہ اور اصولِ فقہ کے فنی فرق کو بیان کرتے ہوئے اصولِ فقہ کی اصطلاحی تعریف کی جائے اور اس کی حدود بیان کی جائیں۔

دین

قرآن مجید اور سنت کی تعلیم پر سرسری نظر ڈالنے ہی سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ ہمہ گیر اور جامع تعلیم انسانی زندگی کے ہر پہلو میں راہنمائی فراہم کرنے کا ایک مکمل منصوبہ پیش کرتی ہے۔ اسلام کا یہ مکمل اور ہمہ گیر منصوبہ باہم مربوط، متناسق، متکامل اور متناسب ہے۔ اس کے جملہ ابواب و اجزاء ایک دوسرے کی تکمیل بھی کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر عملدرآمد میں سہولت اور آسانی بھی پیدا کرتے ہیں۔ ان اجزاء میں انسانی زندگی کے تمام نازک پہلوؤں کی رعایت رکھی گئی ہے۔ اس

Marfat.com

تعلیم میں بحیثیت مجموعی انسانی زندگی کی جزوی اصلاح کے بجائے کلی اور ہمہ پہلو اصلاح کا بندوبست کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے اس کلی اور ہمہ پہلو اصلاح وفلاح کے لیے ایک کلی اور ہمہ گیر نظریہ حیات اور تصور کائنات کی ضرورت ہے۔ جب تک انسان کے پیش نظر زندگی اور کائنات کے بارے میں ایک مکمل، جامع، ہمہ گیر اور مربوط فلسفہ زندگی اور تصور کائنات نہیں ہوگا اس وقت تک ان سب پہلوؤں میں اس کی اصلاح کا کوئی دیرپا، جامع اور قابل عمل نظام مرتب نہیں کیا جا سکتا۔ اس مکمل، جامع، مربوط اور ہمہ گیر تصور حیات کو قرآن کی زبان میں دین کی جامع اصطلاح سے یاد کیا جاتا ہے۔ دین کا ترجمہ بعض لوگ مذہب (Religion) سے کرتے ہیں جو اس کی ہمہ گیری کو محدود کر دینے کے مترادف ہے۔ اس کا صحیح مناسب اور مکمل اور متبادل کیا ہونا چاہیے، اس بارے میں مختلف اہل علم نے مختلف اصطلاحات تجویز کی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ نظام حیات، نظام زندگی اور زندگی گزارنے کا ڈھنگ اور رویہ ہی دراصل دین کا اصل مفہوم ہے جس میں زندگی کے تمام پہلو آ جاتے ہیں۔

قرآن پاک کی نظر میں دین (یعنی زندگی کا عمومی رویہ اور نظام حیات) دو ہی ہیں:

۱۔ دین حق یعنی وہ طرز عمل اور رویہ جو اللہ کی مرضی اور منشاء کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے پر مبنی ہو۔

۲۔ باطل یعنی وہ طرز عمل اور رویہ جو اللہ کی مرضی اور منشاء سے انحراف پر مبنی ہو۔

اللہ کی نظر میں زندگی کا پہلا رویہ ہی قابل قبول ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَامُ [آل عمران ۳:۱۹]

یعنی اللہ کے نزدیک دین وہی ہے جو اس کی مرضی کے آگے سر تسلیم خم کر دینے سے عبارت ہو۔ اس طرز عمل کے علاوہ اگر کوئی طرز عمل انسان اختیار کرے گا تو اللہ کی بارگاہ میں قابل قبول نہ ہوگا۔

وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَ ھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ [آل عمران ۳:۸۵]

Marfat.com

اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا سو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ شخص آخرت میں تباہ کاروں میں شمار ہوگا۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں ادیان کا لفظ صیغہ جمع میں کہیں نہیں آیا۔ شاید اس لیے کہ دین کی کوئی تیسری قسم واقعتاً موجود ہی نہیں ہے۔ اللہ کی مرضی سے انحراف کی بہت سی صورتیں اور محرکات وعوامل ہو سکتے ہیں لیکن انحراف ہونے کی حیثیت سے وہ سب صورتیں ایک ہی زمرہ میں شمار ہوں گی۔

قرآن پاک سے پتا چلتا ہے کہ دین حق (یعنی اللہ کی مرضی کے آگے سر تسلیم خم کر دینے کا رویہ) ابتدائے آفرینش سے خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک ایک ہی رہا ہے۔ اس کو ہر دور میں اسلام ہی سے یاد کیا گیا اور اس کے علَم بردار انسانوں کو مسلم اور مسلمین کی اصطلاحات سے جانا گیا۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے اسی ایک دین کی دعوت دی جس کی بنیادیں توحید، رسالت اور آخرت کے سہ گانہ اصولوں پر قائم تھیں۔ دین کا بنیادی مقصد ہر دور میں ایک ہی رہا یعنی انبیاء کی لائی ہوئی شریعت پر عمل درآمد اور مکارم اخلاق کا اختیار کرنا۔ مختلف انبیاء نے اپنے اپنے مخاطبین کی ذہنی اور ثقافتی سطح کے مطابق ان اصولوں کی تعلیم دی۔ جب انسانیت عہد طفولیت کے مرحلہ سے گزر رہی تھی تو اس وقت کے انبیاء نے انتہائی سادہ اور ابتدائی اصولوں تک اپنی تعلیم و تبلیغ کو محدود رکھا۔ جوں جوں انسانیت ارتقاء کے مراحل طے کرتی گئی انبیاء کی تعلیم میں بھی وسعت اور گہرائی آتی چلی گئی۔ یہی حال مختلف انبیاء کی لائی ہوئی شریعتوں کا بھی رہا۔ جن اقوام میں ڈسپلن اور نظم وضبط کی کمی تھی ان کو سخت احکام دیئے گئے۔ جن قوموں نے قانون پسندی کا مطلب ظاہر پرستی اور حرفیت پسندی قرار دیا ان کو ایسے احکام دیئے گئے جن کے ذریعے قانون کی اصل روح کو اجاگر کیا جا سکے۔

شریعت

دین کے اصولوں پر عمل درآمد اور انسانی زندگی میں ان اصولوں کی عملی تشکیل کا واحد راستہ جو اللہ اور اس کے رسول نے بتایا اور دکھایا، شریعت کہلاتا ہے۔ یہ اصطلاح قرآن پاک میں

Marfat.com

بھی مختلف صیغوں (شریعت، شرعة، شرع) میں استعمال ہوئی ہے اور احادیث مبارکہ میں بھی بار بار آئی ہے۔ اصطلاحی اعتبار سے اس سے مراد زندگی گزارنے کا وہ راستہ ہے جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ لغوی اعتبار سے شرع سے مراد پانی کے کسی ذخیرہ سے براہ راست چلو بھر کر یا کسی اور ذریعہ سے پانی حاصل کرنا ہے۔ اسی سے شریعت کا لفظ ماخوذ ہے۔ شریعت سے مراد کشادہ، سیدھا، واضح اور صاف راستہ ہے جو کسی بستی کے لوگوں کو پانی کے ایسے ذخیرہ اور مآخذ تک پہنچا دے جہاں سے ہر شخص آسانی سے پانی پی سکے۔ اصطلاحی مفہوم کے اعتبار سے بھی شریعت ان اوصاف سے مزین ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر اس واضح راستہ یعنی شریعت کی امتیازی خصوصیات بیان فرمائی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جو راستہ لے کر آیا ہوں وہ یکسوئی کے ساتھ منزل مقصود تک لے جانے والا، نرمی اور آسانی پیدا کرنے والا، سہولت بخش، روشن اور اتنا واضح ہے کہ اس کی رات بھی اس کے دن کی طرح چمک دار ہے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انی ارسلت بحنیفیة سمحة(۱)

بے شک مجھے سیدھا منزل کی طرف لے جانے والا اور نرمی والا دین دے کر بھیجا گیا ہے۔

حضرت عرباض بن ساریہؓ راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قد ترکتکم علی البیضاء لیلها کنهارها(۲)

میں نے تم کو ایسی شریعت پر چھوڑا ہے جس کی رات بھی اس کے دن کی طرح روشن ہے۔

۱۔ مسند الامام احمد بن حنبل ۲۳۳/۶

۲۔ حوالہ بالا ۱۲۶/۴۔ مزید ملاحظہ ہو: سنن ابو داؤد، المقدمة، باب اتباع سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم

Marfat.com

یہ سب وہی خصوصیات ہیں جو شریعہ کے لغوی مفہوم میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اس راستہ پر کامیاب سفر کر کے ہی انسان دنیا اور آخرت میں سرخرو ہو سکتا ہے۔

کامیابی کے اس راستہ پر سفر کی کئی سطحیں ہیں۔ ایک سطح عقائد، ذہنی تصورات، فکری کاوشوں اور عقلی نظریات کی سطح ہے۔ یہ شریعت کا وہ حصہ ہے جس سے علم کلام یا علم عقائد میں بحث ہوتی ہے۔ اس شعبہ علم کو آج کل بعض عرب مؤلفین علم توحید کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔ شریعت کا یہ حصہ انسانی زندگی کے ان بنیادی سوالات سے بحث کرتا ہے جن پر انسان کی پوری زندگی کا دارومدار ہے۔ اس دنیا میں انسان کی حیثیت اور مقام و مرتبہ کیا ہے؟ وہ کہاں سے آیا ہے؟ کیوں آیا ہے؟ کیسے آیا ہے؟ اس کے آنے کا مقصد کیا ہے؟ اس کے آنے کے مقصد کا تعین کون اور کیسے کرے گا؟ انسان کی اس زندگی کی حقیقت کیا ہے؟ اس زندگی کے بعد اسے کہاں جانا ہے اور کس طرح جانا ہے؟ یہ اور اس طرح کے بہت سے دوسرے سوالات انسان کی کامیاب زندگی کے لیے بڑی بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ جب تک ان سوالات کا کوئی نہ کوئی جواب انسان کے پاس موجود نہ ہو وہ اپنی زندگی کا کوئی نظام مرتب نہیں کر سکتا۔ دنیا کے ہر قانون، فلسفہ، نظریہ اور تہذیب و ثقافت کی پشت پر ان سوالات کا کوئی نہ کوئی جواب ضرور موجود ہوتا ہے جس سے اس کا نظریہ کائنات وجود میں آتا ہے۔

عقائد کے بعد دوسری سطح انسان کے قلبی احساسات اور جذبات و عواطف کی ہے۔ شریعت کی تعلیم کا وہ حصہ جو ان امور کو منضبط کرتا ہے، تزکیہ یا احسان کہلاتا ہے۔ اسلام نے انسانی زندگی کے اس پہلو کو بڑی اہمیت دی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کی رو سے جب تک انسان کے قلبی احساسات درست اور مثبت رہتے ہیں انسان کی پوری زندگی درست اور مثبت رہتی ہے مگر جوں ہی قلبی احساسات بگڑتے اور منفی رخ اختیار کرتے ہیں انسان کی پوری زندگی بگڑ کر منفی راستہ پر چل پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے انسان کے جذباتی استحکام اور قلب کی راست روی پر بڑا زور دیا ہے اور اپنی تعلیم کا ایک اہم حصہ اس کے لیے وقف کیا ہے۔ لیکن جذباتی استحکام اور قلبی راست روی آسان کام نہیں ہے۔ زندگی میں ہزاروں منفی قوتیں اور لاکھوں ترغیبات ایسی موجود

Marfat.com

ہیں جن سے دامن بچا کر کامیابی سے نکل جانا بڑی پختہ تربیت اور مستحکم ایمان کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ یہ پختہ تربیت اور مستحکم ایمان اللہ کی بارگاہ میں دائمی حضوری کے احساس و ایقان کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ حضوری کا یہی احساس و ایقان ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشہور حدیث میں جو حدیث جبریل کے نام سے مشہور ہے، احسان سے تعبیر فرمایا ہے[1]۔

تزکیہ واحسان کے بعد تیسری سطح انسان کی ظاہری اور عملی زندگی کی ہے۔ شریعت کا وہ حصہ جو انسان کے ظاہری اعمال و افعال کو منضبط کرتا ہے فقہ کہلاتا ہے۔ انسان کے جسمانی افعال واعمال اور اعضاء و جوارح کی سرگرمیاں لامتناہی ہیں۔ وہ رات کو بستر پر آرام کرنے سے لے کر بین الاقوامی سطح پر سفارتی سرگرمیوں تک لاکھوں قسم کے مشاغل میں مصروف رہتا ہے۔ ان سب اعمال و مشاغل کو اخلاقی قواعد وضوابط اور الٰہی تعلیمات کے تحت منضبط کرنا شریعت کی تعلیم کا سب سے بڑا اور سب سے اہم حصہ ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو نامناسب نہ ہوگا کہ شریعت کی تعلیم کے مذکورہ بالا دونوں پہلو ایک اعتبار سے اسی تیسرے پہلو کی تمہید کی حیثیت رکھتے ہیں اور انسان کو اسی کے لیے تیار کرتے ہیں۔ شریعت کا یہ حصہ اصطلاحی اعتبار سے فقہ کہلاتا ہے۔ چونکہ شریعت کی تعلیم کا یہ حصہ اپنے موضوع کی کثرت اور تنوع کے اعتبار سے سب سے بڑا ہے اس لیے بعض اوقات شریعت کی اصطلاح کا اطلاق شریعت کے اس اہم جزو پر بھی کر دیا جاتا ہے اور شریعت کے اس ایک جزو ہی کو شریعت کہہ دیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے فقہ اور شریعت کی اصطلاحات کبھی کبھی مترادف کے طور پر بھی استعمال ہوتی ہیں۔

علم فقہ

فقہ کے لفظی معنی کسی چیز کا گہرا فہم اور سمجھ بوجھ کے ہیں۔ بظاہر فقہ کے لفظی معنی اور انسان کے ظاہری اعمال کو منضبط کرنے والے مجموعہ ہدایات کے درمیان کوئی مناسبت معلوم نہیں ہوتی، لیکن تھوڑا سا غور کرنے سے مناسبت واضح ہو جاتی ہے۔

۱۔ ملاحظہ ہو: صحیح البخاری، کتاب الإیمان والإسلام، باب سوال جبریل النبی وصلی علیه وسلم عن الإیمان والإسلام والإحسان و علم الساعة و بیان النبی صلی اللہ علیه وسلم له

انسان اپنی زندگی میں جتنے بھی اعمال کرتا ہے وہ لامتناہی ہیں۔ ایک دکاندار کو دکانداری اور تجارت کے دوران بے شمار قسم کے اعمال اور سرگرمیاں اختیار کرنا پڑتی ہیں۔ ایک شخص کھانا کھانے ہی کے دوران بیسیوں قسم کے عمل کرتا ہے۔ ملازمت کرنے والے کو ملازمت کے سلسلہ میں ہزاروں اعمال و افعال سے واسطہ پڑتا ہے۔ ان اعمال کی نہ کوئی انتہاء ہے اور نہ ان کا شمار ہو سکتا ہے۔ ان کی تعداد اربوں اور کھربوں سے بھی شاید متجاوز ہی ہوگی۔ ان کے مقابلہ میں شریعت کی وہ ہدایات (نصوص) جو ان کھربوں اعمال کو منضبط کرتی ہیں وہ بہت ہی محدود ہیں۔ قرآن کی چھ ہزار چند سو آیات میں سے بمشکل چند سو وہ ہیں جو براہِ راست فقہی ہدایات پر مشتمل ہیں جن کو آیاتِ احکام کہا جاتا ہے۔ اسی طرح چالیس پچاس ہزار احادیث کے ذخیرہ میں وہ احادیث جو براہ راست عملی ہدایات پر مشتمل ہیں اور جن کو احادیثِ احکام کہا جاتا ہے اڑھائی تین ہزار سے متجاوز نہیں ہیں۔ گویا یہ تین ہزار چند سو نصوص اربوں انسانوں کے کھربوں اعمال کو منظم و منضبط کرتی ہیں۔

ان چند ہزار نصوص کی روشنی میں انسانی افعال و اعمال کو منظم و مرتب اور منضبط کرنے کا یہ اہم ترین عمل اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ان نصوص پر گہرا غور و فکر نہ کیا جائے اور گہری بصیرت اور عمیق فہم سے کام نہ لیا جائے۔ اس لیے عمیق فہم اور گہری بصیرت اس پورے عمل کا لازمی حصہ ہے جس کے بغیر شریعت کی تعلیم کے اس حصہ پر عمل درآمد نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف قرآن پاک میں بلکہ احادیث نبوی اور اسلامی ادبیات کے پورے ذخیرہ میں فقہ کا لفظ اسی بصیرت افروز، بصیرت آمیز اور مبنی بر بصیرت تعلیم کے لیے استعمال ہوا ہے جس کی گہرائی اور گیرائی کی مثال انسانی فکر و علوم کی تاریخ میں ناپید ہے۔ فقہ کے ارتقاء اور تشکیل میں مسلمانوں کے بہترین دماغوں نے حصہ لیا ہے اور اس مجموعہ علوم کو بجا طور پر اسلامی علوم و ثقافت اور تہذیب و افکار کا گل سرسبد قرار دیا جانا چاہیے۔

فقہائے کرام نے فقہ کی بہت سی تعریفیں کی ہیں۔ ان تعریفات میں جو بات قدر مشترک ہے وہ یہ ہے کہ یہ شریعت کے احکام کا وہ حصہ ہے جو انسان کے اعمال (بمقابلہ افکار و احساسات) سے بحث کرتا ہے۔ عام طور پر فقہائے کرام کے ہاں جو تعریف مقبول و معروف ہے وہ یہ ہے:

Marfat.com

العلم بالاحکام الشرعیة العملیة عن ادلتها التفصیلیة

فقہ وہ علم ہے جس کے ذریعے شریعت کے عملی احکام کو ان کے تفصیلی دلائل سے حاصل کیا جائے۔

معاصر عراقی فقیہ استاذ عبدالکریم زیدان کی رائے میں فقہ کی یہ تعریف سب سے زیادہ مقبول اور پسندیدہ ہے۔

انسان کی عملی زندگی اور اس کے ظاہری اقوال وافعال کو منظم و منضبط کرنے والے علم کی حیثیت سے فقہ کا دائرہ کار قریب قریب پوری انسانی زندگی کو محیط ہے۔ انسان کی پیدائش سے لے کر مرنے تک اس سے جو اقوال وافعال بھی سرزد ہوتے ہیں، علم فقہ ان سے بحث کرتا ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ فقہ کے احکام کا اطلاق انسان کی ذات پر اس کی پیدائش سے پہلے سے شروع ہو جاتا ہے اور مرنے کے بعد تک جاری رہتا ہے۔ اس پوری مدت میں انسان کا کوئی قول یا فعل ایسا نہیں جس کے بارے میں فقہ کا کوئی مثبت یا منفی موقف نہ ہو اور جس کے بارے میں فقہ کا کوئی حکم موجود نہ ہو۔

علم فقہ کے اہم شعبے

انسانی زندگی پر محیط یہ جامع، مربوط، مکمل اور متکامل ہدایت نامہ فقہ اسلامی کے وسیع و عمیق اور بے مثال ذخیرہ سے عبارت ہے۔ فقہائے اسلام نے اس کی تدوین وتشکیل کے روزِ اول ہی سے اس کی دو بنیادی قسمیں قرار دے دی تھیں۔ ایک اصولِ فقہ اور دوسری فروعِ فقہ۔ پہلی سے مراد وہ بنیادی اصول وقواعد ہیں جن کی مدد سے فقہ کے تفصیلی احکام (فروع) معلوم کیے جا سکیں۔ اگر علم فقہ کو ایک سدا بہار درخت سے تشبیہ دی جائے تو اصول سے مراد اس کی جڑیں اور تنا ہے اور فروع سے مراد اس کی شاخیں اور ثمرات ہیں۔ اصول ذریعہ اور مآخذ ہیں اور فروع اصل ہدف اور مقصود ہیں۔ فروع سے مراد احکام وقوانین کا وہ ذخیرہ ہے جس پر عمل درآمد مطلوب ہے۔ فروعِ فقہ اسلامی قانون کا Corpus juris ہیں اور اصولِ فقہ سے مراد اسلام کا Jurisprudence ہے۔ اصول کے

Marfat.com

مقابلہ میں فروع کی وسعت اور پھیلاؤ بہت زیادہ ہے، جب کہ فروع کے مقابلہ میں اصول اپنی گہرائی اور تعمق میں ممتاز ہیں۔ پہلے ہم فروع کے بنیادی مضامین وابواب کو بیان کرتے ہیں:

فقہائے کرام نے تعلیم وتفہیم کی سہولت کی خاطر فقہ کے مضامین ومندرجات کو متعدد انداز سے تقسیم کیا ہے۔ بعض حضرات اس کی تقسیم عبادات اور عادات کے دو عمومی موضوعات کے تحت کرتے ہیں: یعنی وہ احکام جن کا مقصد اللہ اور بندہ کے درمیان تعلق بنانا ہے اور وہ احکام جو بندوں کے مابین تعلقات کو منضبط کرتے ہیں۔ بعض دیگر حضرات نے عبادات، عادات اور معاملات کی سہ گانہ تقسیم کو زیادہ موزوں قرار دیا ہے۔ تاہم دورِ جدید کے فقہائے اسلام کا رجحان زیادہ تفصیلی تقسیم کا ہے۔ وہ فقہ کے موضوعات ومضامین کو جدید مغربی قانون کی اصطلاحات میں بیان کرنا موزوں سمجھتے ہیں جس کا سب سے بڑا فائدہ قانون دان حضرات اور جج صاحبان کی بسہولت تفہیم ہے۔ یہاں یہ بات یاد رہنا چاہیے کہ اگرچہ یہ تقسیمیں نئی ہیں، لیکن یہ مضامین اور ان کی قدیم اصطلاحات اتنی ہی قدیم ہیں جتنا خود فقہ اسلامی قدیم ہے۔

پہلی صدی ہجری کے اواخر سے فقہی مضامین کو پیش کرنے کی جو ترتیب اختیار کی گئی تھی وہ کم وبیش آج تک چلی آرہی ہے اور بہت کم فقہی کتابیں ایسی ملیں گی جن میں اس ترتیب سے نمایاں طور پر انحراف کیا گیا ہو۔ اگر کوئی فرق کہیں نظر آتا ہے تو وہ عام طور پر جزوی قسم کا ہے، بنیادی اور جوہری قسم کا نہیں ہے۔ اس ترتیب کے لحاظ سے فقہی کتابوں کے مندرجات کو درج ذیل بڑے بڑے عنوانات کے تحت بیان کیا جاسکتا ہے:

۱۔ عبادات

یہ فقہ اسلامی کا اوّلین موضوع ہے جس سے فقہ کی ہر کتاب کا آغاز ہوتا ہے۔ اس جزو میں طہارت، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج وغیرہ کے احکام سے بحث ہوتی ہے۔

۲۔ فقہ الأسرۃ (عائلی احکام)

یہ فقہ اسلامی کا وہ حصہ ہے جو انسان کی عائلی زندگی کو منظم ومنضبط کرتا ہے۔ فقہ الأسرۃ کی

Marfat.com

اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن پاک کی آیات احکام (جن کی تعداد کا اندازہ ۲۵۰۔۳۰۰ کے درمیان ہے) کا کم وبیش ایک تہائی یا اس سے کچھ زائد صرف شخصی اور عائلی قوانین سے متعلق ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے نظام معاشرت و قانون میں ادارہ خاندان کو بڑی بنیادی اور مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس مرکزیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ خاندان اور نسل کا تحفظ اسلام کے پانچ بنیادی مقاصد میں سے ایک قرار دیا گیا ہے۔ ادارہ خاندان کی یہ اہمیت اس لیے ہے کہ اسلامی معاشرہ کی تشکیل اور امت کی تکوین میں سب سے بنیادی اکائی خاندان ہی ہے۔ اگر خاندان کی اکائی مضبوط اور اسلامی اساس پر قائم ہے تو وہاں سے جو افراد تیار ہوں گے وہ بنیادی دینی تربیت کے حامل ہوں گے اور ایسے خاندانوں سے جو معاشرہ بنے گا وہ اسلامی اساس سے قریب تر ہوگا۔

فقہ الأسرة یا عائلی قوانین میں نکاح، طلاق، وراثت، وصیت، نفقہ اور حضانت (بچہ کی نگہداشت اور پرورش کا حق) کے ابواب سے بحث ہوتی ہے۔ یعنی ادارہ خاندان وجود میں کیسے آئے گا؟ افراد خاندان کے حقوق اور فرائض کیا کیا ہوں گے؟ اگر وجود میں آنے کے بعد خاندان میں اختلافات جنم لینے لگیں تو ان کو کیسے دور کیا جائے گا؟ مرنے والے کی جائیداد افرادِ خاندان میں کیسے اور کس تناسب سے تقسیم کی جائے اور افرادِ خاندان کی ضروریات کی تکمیل اور مفادات کی نگہداشت کیسے کی جائے گی؟

۳۔ معاملات

منطقی اور واقعاتی ترتیب کے اعتبار سے دیکھا جائے تو گھریلو زندگی کے بعد انسان کی معاشرتی زندگی آتی ہے جس میں اسے لوگوں سے لین دین، خرید وفروخت اور مال و دولت سے متعلق معاملات طے کرنے پڑتے ہیں۔ یہ معاملات دو طرح کے ہوتے ہیں۔ کچھ تو وہ جن میں فریقین کے قانونی حقوق و فرائض مرتب ہوتے ہوں اور کچھ وہ جن کے نتیجہ میں ایسے قانونی حقوق و فرائض مرتب نہ ہوتے ہوں جن کو عدالتوں کے ذریعہ نافذ کرایا جا سکتا ہو۔ ان میں سے پہلی قسم کا

اصطلاحی نام فقہ المعاملات ہے۔ یہ فقہ اسلامی کا سب سے وسیع اور سب سے عمیق میدان ہے۔ عام طور پر آج کل کے جدید فقہاء اسے اسلام کا دیوانی قانون (Civil Law) قرار دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دیوانی قانون کے نام سے یورپ میں بالعموم اور فرانس میں بالخصوص قانون کے جس شعبہ کو یاد کیا جاتا ہے اس کا بڑا حصہ فقہائے اسلام کی تقسیم کی رو سے معاملات ہی کے ابواب میں زیر بحث آتا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ فقہ المعاملات کا دائرہ جتنا وسیع ہے اس کے لحاظ سے اسے دیوانی قانون کا مترادف قرار دینا اس کی وسعت کو محدود کر دینے کے مترادف ہے۔ فقہ المعاملات کو دیوانی قانون کا مترادف قرار دے کر اس کی وسعت کو سول لاء کی تنگنائیوں میں محدود کر دینا درست نہیں معلوم ہوتا۔

فقہ المعاملات میں وہ تمام احکام بھی شامل ہیں جن کا تعلق افراد یا گروہوں کے درمیان لین دین اور تجارتی قسم کے تعلقات سے ہے۔

۴۔ فقہ التعامل الاجتماعی

معاشرتی سطح پر میل جول اور طرز عمل کے احکام جن کے لیے عموماً فقہ اسلامی میں **الحظر والاباحة** کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے، یعنی عام معاشرتی سطح پر کیا چیز جائز ہے اور کیا ناجائز ہے۔ قانون کے اس شعبہ کا مقصد بنیادی طور پر اسلامی معاشرہ کے امتیازی اوصاف کا تحفظ اور اسلامی شخصیت کی بقاء ہے۔ دنیا کے ہر نظام، ہر قانون اور ہر تہذیب کی طرح اسلام بھی اپنے نظام، قانون اور تہذیب کی انفرادیت کا تحفظ کرتا ہے اور اس کے لیے مناسب اور ضروری تدابیر اختیار کرتا ہے۔

الحظر والاباحة کے احکام اسی ضرورت کی تکمیل کے لیے ہیں۔ اس ضابطہ میں کھانے پینے کے آداب، حلال وحرام کی تفصیلات، عام معاشرتی سطح پر افراد کا میل جول، غیر مسلموں سے روابط کے انداز، شادی بیاہ کے طریقے اور حدود، لباس اور پردہ کے احکام، رہن سہن کے اصول و قواعد، برتاؤ اور اس جیسے دیگر امور سے بحث کی جاتی ہے۔

Marfat.com

۵۔ الأحکام السلطانیہ (سیاست شرعیہ یا فقہ دستوری)

یہ فقہ اسلامی کا پانچواں بڑا میدان ہے جو اسلام کے دستوری اور انتظامی قانون سے بحث کرتا ہے۔ مسلم مفکرین اور فقہاء کے نزدیک قانون اور نظام کی پابندی انسان کی بنیاد اور سرشت میں داخل ہے۔ وہ انسان کو محض معاشرتی حیوان نہیں مانتے بلکہ ایک ایسا سیاسی حیوان قرار دیتے ہیں جو قانون اور نظم وضبط کی شعوری پابندی کرتا ہے۔ رومی قانون دانوں نے بھی (شاید مسلمانوں کے اثر سے) یہ کہا کہ جہاں معاشرہ ہوگا وہاں قانون بھی ہوگا، پھر جہاں قانون ہوگا وہاں قانون بنانے اور اسے چلانے والے بھی ہوں گے، پھر وہاں قانون کو نافذ کرنے والے اور اسے توڑنے پر سزا دینے والے بھی ہوں گے۔ یہ فقہ اسلامی کا وہ شعبہ ہے جو بجا طور پر اسلام کا دستوری اور انتظامی قانون کہلاتا ہے۔

۶۔ فقہ الجنایات (اسلام کا فوجداری قانون)

جہاں قانون ہوگا وہاں قانون کو توڑنے والے بھی ہوں گے۔ قرآن مجید سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی معاشرہ ایسا نہیں گزرا جس میں جرائم کا ارتکاب کرنے والے ناپید ہو گئے ہوں۔ بہترین سے بہترین معاشروں میں بھی جرائم کا ارتکاب ہو جاتا ہے۔ اگر جرائم کے ارتکاب سے کوئی معاشرہ سو فیصد پاک ہو سکتا تو وہ انبیاء علیہم السلام کا معاشرہ ہوتا لیکن شاید ایسا ہونا اللہ تعالیٰ کی مشیت کے خلاف ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں فسق وفجور اور صلاح وتقویٰ دونوں رجحانات رکھے ہیں اور دونوں رجحانات کی طرف کھینچنے والی قوتیں انسانوں میں ودیعت کی گئی ہیں۔ انہیں دونوں قوتوں میں توازن پیدا کر کے بدی کی قوتوں کو قابو کرنا اور بھلائی کی قوتوں کو ابھارنا انسان کا فریضہ ہے۔ ایسے میں بدی کی قوت کو سرے سے مٹا دینا اللہ کی حکمت آزمائش اور دنیا کے دارالامتحان ہونے کے تصور کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

جرائم کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ان کو کم سے کم سطح پر لے آیا جائے۔ معاشرہ میں جرم کا ارتکاب انتہائی استثنائی صورت ہو جس سے معاشرہ کا مزاج انکار کرتا ہو اور عام لوگ اس

Marfat.com

سے نفرت کرتے ہوں۔ جرم کا ارتکاب اعلانیہ نہ کیا جا سکتا ہو، ایک بار جرم ثابت ہو جانے پر قرار واقعی سزا دی جاتی ہو اور دوسرے ممکنہ مجرمین کے لیے اس کو عبرت بنا دیا جاتا ہو۔ جرائم کی سزائیں اور ان کا قانون وضع کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے جرم کا تعین کیا جائے کہ جرم کیا ہے اور یہ طے کیا جائے کہ کسی فعل کو کب، کن حالات میں اور کن شرائط کے تحت جرم قرار دیا جائے گا۔ وہ اسباب اور بنیادیں کون اور کن اصولوں کی اساس پر متعین کرے گا جن کی روشنی میں کسی فعل کو جرم قرار دیا جائے گا، پھر جو افعال جرم قرار دیے جائیں گے ان کی سزائیں کیا ہوں گی اور ان کا تعین کون اور کن اصولوں کی بنیاد پر کرے گا، پھر سزائیں کب اور کن حالات میں دی جائیں گی اور کب اور کن حالات میں ان کو معاف یا ختم یا کم کیا جا سکے گا، ان سب تفصیلات کے مجموعہ کا نام فقہ الجنایات ہے۔

۷۔ ادب القاضی (قانونِ ضابطہ)

فقہ اسلامی کا ساتواں بڑا میدان ادب القاضی ہے جس کو بعض جدید عرب مصنفین **فقہ المرافعات** کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔ یہ اسلامی قانون کا وہ شعبہ ہے جس کو آج کل کی اصطلاح میں قانون ضابطہ (Procedural Law) کہا جا سکتا ہے۔ اس عنوان کے تحت فقہائے اسلام حسب ذیل موضوعات سے بحث کرتے ہیں:

۱۔ نظام قضاء وعدلیہ جو اسلام کے نظام عدل واحسان کے قیام کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ قضاء کے زیر عنوان فقہائے کرام منصب قضاء کی اہمیت، کار قضاء کی فضیلت، قاضی کا تقرر، قاضی کی شرائط، منصب قضاء کی طلب، قاضی کے فرائض، قاضی کے تقرر اور عزل یعنی منصب سے علیحدگی، آدابِ عدالت، عہدہ دارانِ عدالت، قاضی کی تنخواہ اور مراعات جیسے اہم موضوعات کا ذکر کرتے ہیں۔

۲۔ دعویٰ اور دعویٰ کے فریقین، وہ امور جن کا فیصلہ کرانے کے لیے عدالت میں جانا ضروری ہے اور وہ امور جن کا فیصلہ کرانے کے لیے عدالت میں جانا اور دعویٰ دائر کرانا ضروری نہیں، دعویٰ کے اسباب، ارکان اور شرائط، دعویٰ کے مندرجات اور تعارض وتناقض وغیرہ۔

Marfat.com

۳۔ سماعت اور فیصلہ کا طریق کار، دائرہ اختیار، سمن اور طلبی، آدابِ کمرہ عدالت، جواب دعویٰ، حوالات اور حبس احتیاطی، فریق کی غیر حاضری میں فیصلہ، فیصلہ سے رجوع، فیصلہ پر نظر ثانی اور فیصلہ کے اثرات وغیرہ۔

۴۔ ثبوت اور گواہی، شہادت، اوصافِ گواہاں، گواہی کی شرائط، تزکیہ شہود، گواہوں کا اختلاف اور تضاد بیانی، قرینہ قاطعہ، ماہرین فن کی آراء، سرکاری اور عدالتی دستاویزات بطور ثبوت، اقرار، قسم اور نکول یعنی قسم سے انکار وغیرہ۔

۵۔ نیم عدالتی ادارے، حسبہ اور محتسب، ولایتِ مظالم، ولایت جرائم، نظام افتاء، تحکیم اور ثالثی، وکالت اور قانونی مشورہ وغیرہ۔

۸۔ سِیَر یا الفقہ الدولی

اسلام کا بین الاقوامی قانون یا قانون بین الممالک جس کے لیے سِیَر کی اصطلاح دوسری صدی ہجری ہی سے رائج ہو گئی تھی۔ یہ اسلامی قانون کا وہ شعبہ ہے جو مسلمانوں اور غیر مسلموں، اسلامی ریاست اور دوسری ریاستوں اور اسلامی حکومت اور اس کے باغیوں کے مابین تعلقات کو منظم اور منضبط کرتا ہے۔ یہ قانون کا وہ شعبہ ہے جس میں اوّلیت کا شرف فقہائے اسلام کو حاصل ہے۔ مغرب میں بین الاقوامی قانون کے جدامجد ہیوگو گروشیس (Hugo Grotius) سے تقریباً نو سو سال قبل دوسری صدی ہجری کے فقہائے اسلام نے قانون بین الاقوام پر الگ اور مستقل بالذات کتابیں لکھنا شروع کر دی تھیں جن میں سے ایک درجن کے لگ بھگ مکمل یا نامکمل شکل میں آج ہمارے پاس موجود ہیں۔

یہ اسلامی قانون یعنی فروع فقہ کا ایک مختصر سا موضوعات جائزہ تھا۔ اب فقہ کے دوسرے بڑے شعبے اصولِ فقہ کا ابتدائی تعارف پیش کیا جاتا ہے جو ہمارا اصل موضوع ہے۔

اصولِ فقہ کی فنی تعریف

اصولِ فقہ کی درسی کتابوں میں جہاں اس علم کی فنی تعریف کی گئی ہے وہاں عموماً تعریف کے

Marfat.com

دو انداز اپنائے گئے ہیں۔ کچھ حضرات نے اصولِ فقہ کی بطور ایک مستقل بالذات اور جداگانہ علم کے تعریف کی ہے، جب کہ بعض حضرات نے لفظ اصول کی الگ وضاحت کی اور لفظ فقہ کی الگ اور اس طرح اصولِ فقہ کے مرکب اضافی کے معانی سمجھائے۔ یہاں یہ دونوں انداز اپناتے ہوئے اصولِ فقہ کی دونوں قسم کی تعریفیں بیان کی جاتی ہیں۔

تعریف کا پہلا اسلوب

پہلے اسلوب کی رو سے اصولِ فقہ گو ایک مرکب اضافی ہے لیکن یہاں اس کی تعریف ایک مرکب اضافی کے طور پر نہیں بلکہ ایک مستقل بالذات اور جداگانہ علم کے طور پر کی جاتی ہے۔ اصولِ فقہ اس علم کا نام اور عنوان ہے اور اس کی تعریف اسی نام کی مناسبت اور حوالہ سے کی جانی چاہیے۔ گویا تعریف کرتے وقت الفاظ ''اصولِ فقہ'' کو مرکب الفاظ نہیں بلکہ ایک مفرد لفظ سمجھا جائے گا۔ اس اعتبار سے علمائے اصول نے اصولِ فقہ کی جو تعریفیں بیان کی ہیں ان میں دو اہم تعریفات یہاں بیان کی جاتی ہیں:

علمائے اصول کی غالب ترین اکثریت جن میں حنفی، مالکی اور حنبلی علماء شامل ہیں، نے کہا ہے کہ:

> ''اصولِ فقہ سے مراد وہ قواعد ہیں جن کے بحث، مطالعہ اور تحقیق کے ذریعہ احکام شرعیہ کا استنباط ان کے تفصیلی دلائل کی مدد سے کیا جاسکتا ہے۔''

بالفاظ دیگر علم اصولِ فقہ قواعد کے علم کو کہتے ہیں جن کی مدد سے احکام شریعت معلوم کیے جا سکیں۔ یہاں قواعد سے مراد وہ عمومی اصول اور بنیادی تصورات ہیں جن سے شریعت کے جزوی احکام معلوم کیے جاسکیں۔ بعض حالات میں ان احکام کا علم قطعی اور یقینی طور پر ہو جاتا ہے اور بعض دیگر حالات میں ان احکام کا علم مکمل طور پر قطعی اور یقینی تو نہیں ہوتا البتہ ان احکام کے بارے میں ظن غالب حاصل ہو جاتا ہے۔ یہاں عمومی اصولوں میں وہ اصول بھی شامل ہیں جن سے قرآن مجید اور سنت کے احکام کی تعبیر و تشریح کی جاتی ہے۔ مثلاً یہ اصول کہ شارع نے (قرآن اور سنت میں) جن

Marfat.com

جن باتوں کا حکم دیا ہے وہ شرعاً فرض اور واجب ہیں، یا یہ اصول کہ قرآن وسنّت میں بیان کردہ مطلق اور عمومی احکام کو قرآن وسنّت ہی میں بیان کردہ مقیّد اور مخصوص احکام کی روشنی میں پڑھا اور سمجھا جائے گا، یا یہ اصول کہ واضح اور قطعی احکام کو ان احکام پر ترجیح حاصل ہوگی جو کسی استدلال پر مبنی ہوں، یا یہ اصول کہ قرآن وسنّت کے بلاواسطہ اور براہ راست احکام کو بالواسطہ اور اجتہاد پر مبنی احکام پر ترجیح حاصل ہوگی۔

اس تعریف میں بیان کردہ تفصیلی دلائل سے مراد مختلف جزوی اور فروعی احکام کے وہ دلائل وماٰخذ ہیں جن سے کوئی حکم ثابت ہوتا ہو، مثلاً چوری کی حرمت کی دلیل سورۃ المائدۃ کی متعلقہ آیت جس میں قطع ید کا حکم اور چوری کے جرم کی وعید بیان ہوئی ہے (المائدۃ ۵:۳۸)۔ ان تفصیلی دلائل سے بحث فقیہ کا کام ہے، اصولی کا نہیں۔ اصولی (یعنی اصولِ فقہ کا ماہر) صرف عمومی اور کلّی دلائل سے بحث کرتا ہے۔ تاہم علامہ شوکانیؒ (م ۱۲۵۰ھ) کی رائے میں یہاں دلائل کے ساتھ ''تفصیلی'' کی قید غیر ضروری ہے اس لیے کہ احکام کے استنباط سے مراد ہی تفصیلی دلائل کے ذریعہ استنباط احکام ہے، لہٰذا تفصیل کا ذکر تحصیلِ حاصل ہے۔

مذکورہ بالا تعریف کے مقابلہ میں ایک دوسری تعریف شافعی علمائے اصول نے پیش کی ہے۔ ان کی رائے میں:

> ''علم اصولِ فقہ نام ہے فقہ کے دلائل کو عمومی طور پر جان لینے کا اور ان دلائل سے استفادہ کے طریقہ کار اور شرائط سے واقفیت کا۔''

شافعی علمائے اصول نے اس تعریف کی وضاحت میں طویل بحثیں کی ہیں اور مذکورہ بالا تعریف سے اس کا تقابلی مطالعہ کیا ہے۔ لیکن غور کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ الفاظ کے اختلاف کے باوجود دونوں تعریفات میں کوئی گہرا اور بنیادی فرق موجود نہیں ہے۔ علمائے اصول میں سے مشہور شافعی اصولی ابن حاجبؒ (م ۶۴۰ھ) کی تعریف میں اختصار بھی ہے اور دیگر علمائے اصول کے مباحث کی جھلک بھی پائی جاتی ہے۔ ان کی رائے میں اصولِ فقہ ان قواعد کے علم کا نام ہے جن کی مدد

Marfat.com

سے شریعت کے فروعی احکام کو ان کے تفصیلی دلائل سے اخذ کیا جا سکے۔

ایک اور شافعی فقیہ اور مشہور مفسر قرآن قاضی ناصر الدین بیضاویؒ (م ۶۸۵ ھ) نے نسبتاً زیادہ وضاحت سے اصولِ فقہ کو بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اصولِ فقہ نام ہے فقہ کے دلائل کی اجمالی واقفیت کا، ان سے استفادہ کرنے کے عمل کا اور استفادہ کرنے والے کی حالت یعنی شرائط اور کیفیات جاننے کا، بالفاظ دیگر فقہ کے تمام اجمالی دلائل کے متعلقہ مسائل کی تصدیق کرنے کا، چاہے ان پر اتفاق رائے ہو یا اختلاف پایا جاتا ہو، ان دلائل سے فقہی فروع کو اخذ کرنے کا طریقہ جاننے کا، ان سے احکام شریعت معلوم کرنے کا اور اس پورے عمل کو کرنے والے کی صفات و شرائط جاننے کا مجموعی نام اصولِ فقہ ہے۔

تعریف کا دوسرا اسلوب

اصولِ فقہ کی تعریف کا دوسرا اسلوب، جیسا کہ عرض کیا گیا، یہ ہے کہ اصول اور فقہ دونوں کی الگ الگ تعریف کر کے پھر علم کی الگ سے تعریف کی جائے اور پھر یہ دکھایا جائے کہ علم اصولِ فقہ سے کیا مراد ہے۔ جن حضرات نے اس اسلوب کے مطابق علم اصولِ فقہ کی تعریف کی ہے انہوں نے علم کی حقیقت اور ماہیت پر بڑی تفصیلی بحثیں کی ہیں۔ علم کی یہ بحثیں فقہ اور قانون کے مباحث سے کم اور فلسفہ اور بالخصوص فلسفہ علم (Epistemology) سے زیادہ تعلق رکھتی ہیں۔ علمائے اصول میں جو حضرات فلسفہ اور کلام کے بھی شہسوار ہیں انہوں نے خاص طور پر ان میدانوں میں جولانیاں دکھائی ہیں۔ چنانچہ فخر الدین رازیؒ (م ۶۰۶ ھ) اور سیف الدین آمدیؒ (م ۶۳۱ ھ) نے جہاں اصول اور فقہ کی الگ الگ تعریفیں کی ہیں وہاں علم کے بارے میں فلسفیانہ بحثیں بھی اٹھائی ہیں۔ علامہ آمدیؒ لکھتے ہیں کہ علم سے مراد وہ وصف ہے جس کا اگر کوئی شخص حامل ہو تو اس میں مجموعی اور کلی حقائق و معانی کے درمیان تمیز کرنے کی ایسی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے جس کی موجودگی میں اس کے مخالف کسی احتمال کے سامنے آنے کا امکان نہیں رہتا۔ مشہور حنفی فقیہ حافظ الدین ابوالبرکات نسفیؒ (م ۷۱۰ ھ) نے بھی علم کی تعریف کا سوال اٹھایا لیکن یہ کہہ کر بات ختم کر دی کہ علم کی تعریف کرنے

کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ وہ اتنی واضح چیز ہے کہ اپنی وضاحت کی وجہ سے ہر قسم کی تعریف سے مستغنی ہے۔ مثال کے طور پر بھوکے شخص کو اپنی بھوک کا علم خود بخود ہو جاتا ہے اور اس کو پہلے بھوک کی فنی تعریف کرنے یا سمجھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسی طرح ایک صاحبِ علم کو یہ جاننے اور سمجھنے کے لیے کہ علم کیا ہے، علم کی تعریف کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ یہاں یہ بات واضح رہے کہ مسلم مفکرین کے ہاں سائنس اور نالج (Knowledge) دونوں کے لیے علم ہی کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے اور وہ ان دونوں میں فرق نہیں کرتے۔ چنانچہ علامہ نسفیؒ نے یہاں علم کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ نالج کے بارے میں تو درست ہو سکتا ہے لیکن سائنس کے بارے میں اس سے اتفاق کرنا مشکل ہے۔

علم کی تعریف کے بعد اصول اور فقہ کی الگ الگ تعریفیں کی جاتی ہیں جن سے مجموعی طور پر علم اصولِ فقہ کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ لفظ فقہ کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ اصول اصل کی جمع ہے جس سے مراد درخت کی جڑ یا عمارت کی بنیاد ہوتی ہے۔ علم فقہ کو اگر ایک عمارت سے تشبیہ دی جائے تو علم اصول اس عمارت کی بنیاد قرار پائے گا۔ اسی لیے اصول سے مراد وہ امور بھی ہوتے ہیں جن پر کسی دوسری چیز کے صحیح یا غلط یا قابل قبول ہونے یا ناقابل قبول ہونے کا دارومدار ہو۔ اس مفہوم کی رو سے اصولِ فقہ سے مراد وہ امور ہوں گے جن پر فقہ اور اس کے احکام کا دارومدار ہو، جن کی مدد سے فقہی مسائل کے صحیح یا غلط ہونے اور فقہی آراء واجتہادات کے قابل قبول ہونے یا ناقابل قبول ہونے کا فیصلہ کیا جائے۔

اصولِ فقہ کے احکام میں ایک بڑا حصہ تو ان قواعد وضوابط یا اصولوں کا ہے جو قرآن وسنت کی تفہیم وتفسیر میں استعمال ہوتے ہیں یا دیگر ادلۂ شرعیہ سے استنباطِ مسائل کے عمل اور اس کی شرائط و تفصیلات سے بحث کرتے ہیں۔ دوسرا بڑا حصہ وہ ہے جن کو قواعد قطعیہ کہا جا سکتا ہے۔ ان دونوں حصوں میں براہ راست قرآن مجید اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کیے ہوئے احکام کا حصہ بہت نمایاں اور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

Marfat.com